مولانا محمد رحیم حقانی
سابق ایڈوائزر وزیر اعلیٰ ہاؤس پختونخوا

اسلامی معاشرے میں تعلیمی وعلمی اداروں کی تاریخ

دنیا آج جس نوعیت کے تعلیمی و عالمی اداروں سے واقف ہے اور آج علم کے فروغ اور اسکی حفاظت کے لئے جو اہتمام کیا جاتا ہے، اسلامی معاشرہ میں یہ ادارے شروع ہی سے موجود رہے ہیں اور اس میں بہتر انداز سے علم کے تحفظ کا خیال رکھا جاتا تھا۔

تعلیمی اور علمی اداروں سے مراد ایسے ادارے ہیں جہاں تعلیم اور علم کے حصول کا انتظام ہو۔ یعنی ایسی جگہ جہاں تعلیم دی جارہی ہو یا جہاں سے علم حاصل ہو سکے۔ سکول یا مدرسہ ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اسی طرح جب ہم مسجد میں سیکھنے سکھانے کا کوئی عمل کرتے ہیں تو وہ بھی ایک تعلیمی ادارہ بن جاتا ہے۔ لائبریری بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ کیونکہ وہ بھی فروغ علم کا کام کرتی ہے۔ بعض تعلیمی ادارے رسمی ہوتے ہیں اور بعض غیر رسمی۔ مثال کے طور پر ماں کی گود یا مسجد، دونوں جگہ سے آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے لیکن یہ تعلیم کے غیر رسمی ادارے ہیں۔ اگر کوئی فرد اپنی جگہ درس وتدریس کا کام کرتا ہے تو وہ بھی دراصل ایک غیر رسمی ادارہ قائم کئے ہوئے ہے۔ دوسری طرف ہم سکول، کالج اور مدرسے میں بھی سیکھتے ہیں لیکن یہ تعلیم کے رسمی ادارے ہیں۔ اگر کوئی فرد اپنی جگہ درس وتدریس کا کام کرتا ہے تو وہ بھی دراصل ایک غیر رسمی ادارہ قائم کئے ہوئے ہے۔ کسی معاشرے میں علم کے فروغ کی یہ علامت ہے کہ وہاں تعلیم کے رسمی اور غیر رسمی ادارے بڑی تعداد میں موجود ہوں۔ جیسے یونان میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے سینکڑوں ادارے تھے یا پھر اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں اس نوعیت کے رسمی اور غیر رسمی ادارے موجود تھے۔ مسلمان معاشرہ ابتداء ہی سے ایک منظم معاشرہ رہا ہے۔ اجتماعی نظام کا قیام اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ مسلمانوں کو شتر بے مہار کی طرح زندگی گذارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام اس معاملے میں اتنا حساس ہے کہ اس نے تین با ہم سفر کرنیوالے مسلمانوں کو بھی یہ ہدایت کی کہ وہ پہلے کسی ایک امیر کا انتخاب کریں اور پھر اسے اپنا رہنما مان کر اپنا سفر طے کریں، اسلام کی اس تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمانوں کے اندر نظم وضبط کی روایت نے جنم لیا اور اس وقت جب انسان قبائلی معاشرت میں جی رہا تھا، اسلام نے ایک منظم ریاست کا تصور دیا۔

اسکا با قاعدہ ایک دستور ترتیب دیا اور اسکے تحت ایک ریاست کے مختلف گروہوں کے حقوق وفرائض کا تعین کیا۔

اسلامی ریاست بعد میں جیسے جیسے ارتقا کے عمل سے گذری، ریاست کے تمام شعبے الگ الگ منظم ہونے

لگے اور ہر شخص اپنی افتادطبع اور صلاحیت کے مطابق مختلف خدمات سرانجام دینے پر مامور ہوا۔ انہی شعبوں میں ایک شعبہ تعلیم کا بھی ہے۔ تعلیمی اور علمی اداروں میں قرآن مجید کی جس طرح حفاظت کی گئی وہ ایک ناقابل یقین داستان ہے۔ گو ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

(۱) عرب میں اگرچہ ظہور اسلام سے پہلے لکھنے پڑھنے کی روایت موجود تھی لیکن یہ روایت کچھ ایسی مستحکم نہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق جب عرب میں اسلام کا پیغام پھیلا تو قریش میں محض سترہ افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(۲) بعد میں جب ریاست کی ذمہ داریاں بڑھیں اور مسلمان ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک اجتماعی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تو جن فنون کو بہت ترقی ملی، ان میں ایک فن کتابت بھی تھا۔ لوگوں نے اسے شوق سے سیکھا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اس کے لئے سرکاری سطح پر احکامات جاری کردیے کہ اس کا سیکھنا لازم ہے۔ تمدن کے ارتقاء اور پھر فروغ تعلیم کے ساتھ اسلام کے خصوصی شغف کے باعث مسلمانوں میں یہ روایت مستحکم ہوئی کہ علم کے فروغ اور حفاظت کے لیے خصوصی اہتمام کیا جائے۔

دینی مدارس کا قیام:

غیر رسمی طور پر ہم مسجد نبوی کو پہلا مدرسہ قرار دے سکتے ہیں۔ جہاں اصحاب صفہ دین سیکھتے سکھاتے تھے۔ بعد میں مختلف علماء دین جن میں جید صحابہ، تابعین اور تبع تابعین شامل ہیں۔ نے اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم کئے۔ تاہم جسے آج کی اصطلاح میں سکول، مدرسہ یا دارالعلوم کہا جاتا ہے۔ اس کی نشان وہی نظام الملک (م 485ھ) کے دور میں ہوئی ہے۔ اس نے بغداد نیشاپور اور بہت سے دوسرے شہروں میں عالی شان مدرسے تعمیر کروائے۔ اس باب میں سلطان نورالدین زنگی کا بھی خصوصی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے دمشق میں مدرسے قائم کئے اور مرتے دم تک اس کام میں مصروف رہا۔ تاریخ کی کتابوں میں ان عالیشان مدرسوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ جو نورالدین نے قائم کئے۔ مثال کے طور پر صرف دمشق میں چھ اور حلب میں چار اعلیٰ تعلیمی درسگاہیں تعمیر کی گئیں۔

(۳) ایوبیوں نے اپنے عہد اقتدار میں مصر میں تعلیمی اداروں کا جال پھیلا دیا۔ اس کے علاوہ بیت المقدس اور دمشق میں بھی بہت سے معروف کالج اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔ اس دور میں لوگوں نے انفرادی طور پر ادارے بنائے۔ ان میں شہزادے، شہزادیاں اور دوسرے امراء شامل ہیں۔ مثال کے طور پر مصر کے ایک تاجر عبداللہ بن الاسوقی نے ایک کالج ابن الاسوقی کے نام سے تعمیر کروایا۔ دمشق کے قاضی القضاۃ شرف الدین بن عصرون نے العصرونیہ کے نام سے ایک عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ اسی دور میں دو میڈیکل کالج بھی قائم ہوئے۔ اس عہد میں علیحدہ میڈیکل کالج کم ہی ہوتے تھے۔ اکثر ہسپتالوں کے ساتھ ہی میڈیکل تربیت کے مراکز ہوتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ یہ درسگاہیں کس نوعیت کی تھیں۔ کیا یہ اس طرح کے مدرسے تھے جیسے آج ہم دیکھتے ہیں یا خالصتاً دنیاوی

تعلیم کے ادارے تھے۔ وضاحت کے لئے یہاں ایک ادارے کی تفصیلی حالات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ دراصل یہ مدرسے کس نوعیت کے تھے۔ نورالدین زنگی نے النوریۃ الکبریٰ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ 563ھ میں قائم ہوا۔ آج بھی اسکے آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کیسا عظیم الشان ادارہ تھا۔ نورالدین کا مقبرہ بھی اسی ادارے میں بنایا گیا۔ اس کے داخلی دروازے پر ایک خوبصورت محراب ہے۔ اس مدرسے میں ایک بڑا ہال ہے جسے دیوان کہتے ہیں اس کا فرش عام فرش سے اونچا ہے۔ جس کے دونوں جانب سیڑھیاں ہیں۔

مسجد مدرسے کا ایک اور ضروری اور اہم حصہ ہے۔ یہ مدرسے کی عمارت کے ایک طرف تعمیر کی گئی ہے تا کہ مدرسہ کے علاوہ باہر کے لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ مدرسے میں مدرس حضرات کے لئے آرام کے دو کمرے ہیں۔ یہ کمرے آج بھی اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس مدرسے میں طلبہ کیلئے آٹھ ہاسٹل تھے۔ خادم مدرسہ کے لئے ایک رہائش گاہ تھی۔ بیت الخلاء تھے۔ ایک بڑا باورچی خانہ تھا۔ اس عمارت میں کھانے پینے کے سامان پر مشتمل ایک بڑا اسٹور بھی تھا۔ اس تفصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ادارے کس طرز پر تعمیر کئے جاتے تھے یہ محض ایک جھلک ہے ورنہ مدرسہ مستنصریہ یا مدرسہ نظامیہ جیسے بے شمار تعلیمی ادارے قائم تھے۔

جن سے ساری دنیا نے استفادہ کیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے عالمی تعلیم کلچر کو متاثر کیسے کیا۔

مشہور تاریخی کتب خانے:

اسلامی معاشرے میں کتب خانوں کی جو روایت تھی اس کی چند جھلکیاں دیکھئے:

۱۔ علی بن یحییٰ بن المنجم نے بغداد کے ایک نواحی گاؤں قفص میں ایک عظیم الشان محل بنایا جس میں ایک بڑا کتب خانہ تھا جسے خزائن الحکمت کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ لوگ علم کیلئے دور دور سے اس کتب خانے میں آیا کرتے تھے۔ اگر کوئی وہاں قیام کرنا چاہتا تو علی بن یحییٰ کی طرف سے اس کا بھی اہتمام تھا۔ ایک مشہور طالب العلم جس نے اس سے استفادہ کیا ابو معشر المنجم ہے جس نے سفر کے دوران اس کتب خانے کو دیکھا تو حصول علم کے لئے یہیں رک گیا اور علم نجوم میں بڑا نام پیدا کیا۔

۲۔ ابو قاسم جعفر بن لحملہ بن حمدان الموصلی نے موصل میں ایک دارالعلم قائم کیا۔ اس کیساتھ بھی ایک قیمتی کتب خانہ تھا۔ جہاں تمام علوم کی کتابیں تھیں۔ اس میں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی۔ نادار طلبہ کیلئے وظائف بھی مقرر کئے گئے تھے۔

۳۔ رام ہرمز میں بصرہ کی طرز پر ایک بڑا کتب خانہ تھا۔ یہ ابو علی ابن سوار نے قائم کیا۔ یہاں آنے والے طلبہ کے کھانے کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس قیمتی کتب خانے سے استفادہ کیلئے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔

ان کتابوں کو رکھنے کا اہتمام بھی بہت سلیقے سے کیا جاتا تھا۔ کتاب تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی اسی طرح ان کتابوں کی مکمل فہرستیں تیار تھیں۔ ان سے بھی اندازہ ہوتا تھا کہ کتب خانے میں موجود کتب کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی

اس میں چھ ہزار کتابوں کے نام درج تھے۔

مورخین نے ان کتب خانوں کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جیسے عام کتب خانے، نیم عام نیم خاص کتاب خانے اور خاص کتب خانے وغیرہ۔ عام کتب خانے مسجدوں اور تعلیمی اداروں میں ہوتے تھے اور بہت تھے۔ ان میں بیت الحکمۃ، نجف کا حیدری کتب خانہ، بصرہ میں ابن سوار کا کتب خانہ مشہور تھے۔ نیم عام نیم خاص کتب خانوں میں معتصم باللہ کا کتب خانہ، فاطمی خلفاء کے کتب خانے شامل ہیں۔ یہاں پر ہر کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ خاص کتب خانوں میں الفتح بن خاقان، حنین بن اسحاق، ابن الخشاب وغیرہ کے کتب خانے معروف ہیں۔ خاص کتب خانوں سے مراد اہل علم کے ذاتی کتب خانے تھے۔ اس دور کے نمایاں اہل علم میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کا اپنا کتب خانہ نہ ہو۔

مدرسوں اور کتب خانوں کے علاوہ ہر اہم اور بڑے قصبے میں مشہور اہل علم نے اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم رکھے تھے زاویہ کے نام سے مختلف صاحبان علم کے ناموں سے موسوم معروف حلقے تھے۔ جن میں امام شافعیؒ سے منسوب زاویہ شافعی بھی تھا۔ امام ابوحنیفہ جیسے لوگوں نے باضابطہ طور پر علمی اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اس معاشرے میں تعلیم کی عمومی صورت حال اور لوگوں کی شعوری سطح کیا ہوگی۔ علم سے ہمارا تعلق ٹوٹا تو اس کے بعد صرف آثار قدیمہ رہ جاتے ہیں۔

موجودہ صورت حال:

اگر ہم ماضی کی اس تصویر کو سامنے رکھتے ہوئے اور آج کے حالات کو دیکھیں تو ہمیں کوئی مماثلت دکھائی نہیں دیتی۔ آج ہمارے ہاں اگر علم کے ساتھ کوئی رغبت نہیں اور معاشرے میں شرح خواندگی بہت کم ہے تو اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم ایک کلچر نہیں بن سکی۔ ہمارے ہاں عوامی سطح پر کتب خانوں یا لائبریریوں کا کوئی تصور نہیں اگر کہیں کوئی لائبریری ہے تو وہاں کوئی جانے کا نام نہیں لیتا۔ پھر ہمارے ہاں ان لائبریریوں کے قواعد وضوابط ایسے ہیں کہ کسی کو آسانی سے کتاب دستیاب نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اگر ہم ان لائبریریوں کے اوقات دیکھیں تو وہ اکثر دن کے ہیں، جب لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ شام کو جب ان کے پاس وقت ہوتا ہے، اس وقت کوئی لائبریری کھلی ہوئی نہیں ملتی۔

اہل علم میں ذاتی کتب خانے قائم کرنے کی روایت بھی اب ویسی نہیں رہی۔ ان کے ہاں خوش ذوق کی کمی اس کا ایک بڑا سبب ہے۔ اس کے علاوہ وسائل بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ آج خوش ذوق اور علم دوست خواتین وحضرات اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے کہ وہ حسب ذوق کتابیں خرید سکیں۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کتابیں بہت مہنگی ہیں۔ مثال کے طور پر جو کتاب بھارت میں پچاس روپے کی ہے وہ پاکستان میں سو روپے سے کم میں نہیں ملتی۔ اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمیں کاغذ درآمد کرنا پڑتا ہے۔ جس سے اسکی

قیمت بڑھ جاتی ہے دوسرے ناجائز منافع خوری کی عادت نے بھی کتاب کو عام آدمی کی دسترس سے بہت دور کر دیا ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں علمی مذاکرے واجتماعات کی روایت بھی مستحکم نہ ہوسکی۔ کسی شہر میں ہمیں آج کسی بڑے صاحب علم کا ایسا حلقہ نہیں ملے گا جہاں لوگ جمع ہوسکیں اور اپنی علمی پیاس بجھا سکیں۔ ماضی میں ہمارے ہاں پاکستان میں اس کی دھندلی سی جھلک دکھائی دیتی ہے جب لاہور اور کراچی وغیرہ میں بعض اہل علم نے ہفت روزہ یا ماہانہ علمی مجالس کا اہتمام کیا۔ اب یہ روایت بھی الا ماشاء اللہ ختم ہوگئی ہے۔ دینی مدارس کا جو معاملہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ ایک تو وہ خاص مسلک کی تبلیغ کے لئے وقف ہیں دوسرے یہ کہ ان کا عوام الناس کے ساتھ تعلق کمزور ہو چکا ہے۔ وہ لوگوں سے دور ہیں اور لوگ ان سے اس طرح ان مدارس کی عمارتوں اور مساجد سے عوام کوئی استفادہ نہیں کر سکتے۔

ان حالات میں محض چند دن کے لئے مہم چلا کر یا ہفتہ خواندگی منا کر معاشرے میں تعلیم یا شعور کا معیار بہتر بنانا ممکن نہیں۔ ہم اگر اس کی کوشش کریں گے تو بھی شاید وہ اس قدر نتیجہ خیز نہ ہو جس کی ہمیں آج ضرورت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ملک میں معاشرے میں ایک تعلیمی کلچر پیدا کرنا ناگزیر ہے۔

درحقیقت پاکستان میں آج ایک تعلیمی انقلاب کی ضرورت ہے۔ یہ انقلاب تعلیمی کلچر پیدا کئے بغیر برپا نہیں ہوسکتا۔ مسلم معاشرہ جب علم کے میدان میں عالمی رہنما تھا تو اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اس معاشرے میں تعلیم کوئی نایاب جنس نہیں تھی۔ جس طرح آج کے ترقی یافتہ معاشروں میں ان پڑھ ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ آج مغرب میں جگہ جگہ لائبریریاں ہیں۔ کتابوں کے بڑے بڑے سٹور ہیں جہاں آپ کافی پی سکتے ہیں اور بیٹھ کر کتابیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بچوں کیلئے تنظیمیں قائم ہیں جو قومی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف عمر کے بچوں کیلئے تعلیمی سرگرمیاں منظم کرتی ہیں۔ جن میں مطالعاتی دورے اور دوسرے علمی وتعلیمی مشاغل شامل ہیں[1]۔ اس نوعیت کے بہت سی سرگرمیاں مل کر معاشرے میں ایک تبدیلی پیدا کرتی ہیں۔ اور معاشرہ ہر طرف سے گھیر کر ایک فرد کو تعلیم کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم بھی یہ کام کر سکتے ہیں اگر ہم اپنے رویے میں ایک تبدیلی پیدا کریں۔ ہم اپنے ذہن کو کھلا رکھیں، دوسروں کی رائے سننے پر آمادہ رہیں اور خود کو ہر وقت تبدیل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ مقصد شعوری اور تعلیمی بہتری ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ ماضی کا مسلم معاشرہ اور آج کا مغربی معاشرہ دونوں ہماری اس سمت میں راہنمائی کر رہے ہیں کہ معاشرے میں تعلیم عام کرنے کیلئے ہمہ جہتی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب حکومت، سول سوسائٹی اور افراد مل کر کسی کام کا عزم کرلیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ مقصد حاصل نہ ہو۔ معاشرے میں تعلیمی کلچر پیدا کرنے کیلئے آج ہمیں اس طرح کی یکجہتی کی ضرورت ہے۔

---

[1] مثال کے طور پر امریکہ میں Childrens International Summer Villages (CISV) کے نام سے ایک تنظیم قائم ہے جو ہر سال دنیا بھر کے بچوں کو تہذیبی اعتبار سے قریب لانے کا اہتمام کرتی ہے۔ اور ان میں دوسرے معاشروں کا شعور پیدا کرتی ہے۔